کئی چاند تھے سرِ آسماں: فرنگی کردار

محمد شہباز

Muhammad Shahbaz

Lecturer, Department of Urdu,

Govt. Islamia College, Civil Lines, Lahore.

فوزیہ شہزادی

Fouzia Shehzadi

Lecturer in Urdu (Visiting)

University of Education, Lahore.

Abstract:

Shamsur Rehman Farooqi's novel "Kai Chand They Sar-e-Aasman" is ranked as one of the seminal works of the first decade of the twenty first century. In this work, Farooqi has in the wake of countours of Indo-Islamic civilization has brought out the colonial oppression of the British through some very living and thriving characters. The researcher has through analytical lens brought out the exquisite way Farooqi has crafted the English characters of his novel.

کرۂ ارض پر جب کوئی ریاست اپنی عسکری و اقتصادی طاقت کے بل بوتے پر، نسبتاً کسی کم زور اور پس ماندہ ریاست پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد اُس ریاست کے قدرتی وسائل اور افرادی قوّت کو اپنی ترقی و خوش حالی کے لیے استعمال میں لائے تو ایسی صورت میں وہ مقبوضہ ریاست ''نو آبادیاتی نظام'' (Colonialism) کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ نتیجہ معلوم اُس خطۂ زمین کے تمام مادی و اقتصادی وسائل سمٹ کر قابض ریاست کی مٹھی میں مرتکز ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ قابض ریاست مغلوب ریاست کے مقابلے میں معاشی، معاشرتی اور سائنسی اعتبار سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے، اِس لیے یہی ترقی اُسے دیگر کم زور ریاستوں کو اپنا باج گزار بنانے کی ترغیب دلاتی ہے۔ واضح رہے کہ غالب ریاست کا غلبہ مغلوب ریاست کے قدرتی وسائل، تجارتی منڈیوں، ذرائع پیداوار، افرادی قوّت، حکومتی اداروں اور دیگر تمام وسائل کو ذاتی تصرّف میں لا کر اپنے مزید ترقی یافتہ ہونے کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے قابض ریاست مقبوضہ ریاست پر فوجی طاقت کا استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ اِس بات کا عملی مظاہرہ ازمنہ قدیم میں رومیوں کی فتوحات، جب کہ سترہویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی تک چینی اور روسی سامراج (Imperialism) کی مقبوضہ توسیعات کی صورت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور

پر اِسی خواہش کے پیشِ نظر سترھویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی کے دوران برطانوی استعمار نے دنیا کے کئی ممالک کو اپنی نوآبادی بنا کر دنیا کے ایک چوتھائی حصّے پر اپنا سیاسی تسلط قائم کیا۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ نوآبادیاتی نظام میں قابض ریاست مغلوب ریاست کو اپنی کالونی بنا کر اُس کے مادی واقتصادی استحصال تک ہی خود کو محدود نہیں رکھتی، بل کہ مقبوضہ ریاست کے عوام کی سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ نہ صرف یہ، بل کہ مقبوضہ قوم کے ثقافتی ورثے کو مسمار کرتے ہوئے اُس کے تہذیبی اور تمدنی تشخص کو بھی مسخ کر دیتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نوآبادیاتی نظام میں قابض ریاست کی مغلوب ریاست میں کی جانے والی تخریب کاری عصمت دری کے مترادف ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ بہ قول ارون دتی رائے:

"The pros and cons of Colonialism/Imperialism is bit like debating the pros and cons of rape."(1)

فی الاصل نوآبادیاتی نظام کے قیام اور فروغ کے ضمن میں حکومتِ برطانیہ کا نام یورپی ریاستوں کی فہرست میں سب سے نمایاں ہے۔ ۱۶۰۰ء سے لے کر دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) تک برطانوی نوآبادیاں، جو دنیا کے ایک چوتھائی رقبے اور پچیس فی صد آبادی پر مشتمل تھیں، فی زمانہ جنھیں ''دولتِ مشترکہ'' (Commonwealth) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ملکہ وکٹوریہ (VictoriaQueen) (۱۸۱۹ء۔۱۹۰۱ء) کے عہدِ حکومت (۱۸۳۷ء۔۱۹۰۱ء) میں برطانوی نوآبادیات میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اِن نوآبادیوں سے آنے والے بحری جہاز معدنی ذخائر اور خام مال سے لدے ہوتے اور برطانوی صنعت وحرفت اور تجارت کو فروغ دے کر اُسے دنیا کا باثروت ملک بنانے میں کوشاں تھے۔ محض ہندوستان سے سوت، کپاس، گنا، افیون، تمباکو، چائے اور مصالحہ جات خام مال کی شکل میں برطانیہ پہنچتے تھے۔ برطانوی سرمایہ دار نوآبادیوں کے مفاد کو ہمیشہ برطانوی اغراض ومقاصد کے تابع رکھتے، جس کی بنا پر تمام نوآبادیاں مادی اعتبار سے پس ماندہ، جب کہ سماجی حیثیت سے برطانیہ کی دست نگر بن کر رہ گئیں۔(۲) کہا جاسکتا ہے کہ برطانوی صنعت کی روز افزوں ترقی اور برطانوی معاشرے کی معاشی خوش حالی اِنھی مقبوضہ نوآبادیوں کے وسائل اور افرادی قوّت کی مرہونِ منت ہے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد برطانوی حکومت نے اپنے استحکام کے لیے نئی بنیادوں کو تلاش کیا، جس کے نتیجے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ ہوگیا اور مغل بادشاہت کی جگہ تاجِ برطانیہ نے لے لی۔(۳) کچھ اِسی قسم کی صورتِ حال کو شمس الرحمٰن فاروقی (۱۹۳۵ء۔۲۰۲۰ء) نے اپنے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کا موضوع بنایا ہے۔

بلاشبہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی تہذیب ومعاشرت کی شکست، نوآبادیاتی نظام کی تباہ کاریاں اور مغل سلطنت کے زوال کا بیان، مذکورہ عناصر مل کر ہی دراصل اِس ناول کی تشکیل کرتے ہیں۔ جب انگریز اِس دھرتی پر اپنے قدم جما رہے تھے، اِس دوران اُس نظام میں جتنے بھی انگریز ہندوستان میں وارد ہوئے، اُنھوں نے ہندی، اُردو اور فارسی کے علاوہ مقامی زبانوں اور رسوم ورواجات کو اِس لیے اپنایا، تاکہ وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرسکیں اور اپنے مذموم سیاسی مقاصد کو بہ آسانی حاصل کرنے میں کام یاب ہوسکیں۔ اپنے کلچر کو فروغ دینے کے لیے اُنھوں نے مقامی تہذیب وثقافت کا لبادہ اوڑھا، تاکہ مقامی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں۔ گویا برطانوی استعمار کے بہ موجب سیاسی، معاشی اور علمی مغلوبیت کے ساتھ ساتھ تہذیبی وثقافتی تسلط قائم ہونے سے نوآبادیاتی جاگیردارانہ اور نوآبادیاتی سرمایہ دارانہ کلچر کو فروغ حاصل ہوا۔(۴) مزید یہ کہ ہندوستان پر قابض

حکمرانوں نے مقامی لوگوں کی ذہن سازی کچھ اِس نہج پر کی کہ وہ اُنھیں اپنا بہی خواہ اور ہمدرد سمجھ سکیں۔ اِس ناول کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اِس میں فاروقی نے دیسی کرداروں کے جلو میں کئی ایک بدیسی (انگریز) کردار بھی ناول کی کہانی میں ٹانکے ہیں۔ اِن فرنگی کرداروں کو خلق کرتے ہوئے فاروقی نے زبان و بیان، لباس و طعام، چال چلن، تہذیب و ثقافت اور عادات و اطوار کو خاص طور پر مدِنظر رکھا ہے، جس کی بہ دولت یہ کردار ہمیں اپنے حقیقی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اِن میں سے بعض کردار فرنگی تہذیب کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے رنگوں سے بھی مزین دکھائی دیتے ہیں۔ فاروقی نے برطانوی سامراج کے اِن فرنگی کرداروں کو اِس ناول میں جس کمال مہارت سے ناول میں پرویا ہے، اُس کا تذکرہ ذیل میں پیش ہے۔

زیرِ بحث ناول میں فرنگی کرداروں کے ضمن میں مقدم سطح پر ولیم فریزر (Fraser William) (۱۷۸۴ء۔ ۱۸۳۵ء) کے رشتے کے بھائی سائمن فریزر (FraserSimon) کا کردار آتا ہے، جو نواب شمس الدین احمد خان (۱۸۰۹ء۔ ۱۸۳۵ء) اور ولیم فریزر کے درمیان تلخی کی تمام جزئیات سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ اُس کے دل میں فریزر کے قتل کا بدلہ لینے کی آگ سلگ رہی تھی۔ اِس لیے وہ چھوٹی سے چھوٹی معلومات اور معمولی سے معمولی شخص کو بھی اِس حوالے سے نظر انداز کرنے کا روادار نہیں تھا۔ ولیم فریزر کے قاتل کو گرفتار کرنے کے لیے اُس نے ہر ممکن کوشش کی اور مقدور بھر وسائل استعمال کیے۔ اپنی انھی نتیجہ خیز کوششوں کی وجہ سے وہ زبردست منصوبہ بندی اور کمال مہارت سے کریم خان کو گرفتار کرنے کے بعد، اُس کے ذریعے نواب شمس الدین احمد خان تک پہنچ جاتا ہے اور بالآخر اِس معاملے کو منطقی انجام تک پہنچانے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔ سائمن فریزر اپنے بھائی کے قتل کی آگ میں اِس قدر پاگل ہو چکا تھا کہ وہ نواب شمس الدین احمد خان کی سرِعام پھانسی کو دیگر ہندوستانیوں کے لیے عبرت کا نشان بنا کر مقامی لوگوں پر کمپنی کا رعب و دبدبہ مزید بڑھانا چاہتا تھا۔ مختصر یہ کہ سائمن فریزر ایک متعصّب، منتقم مزاج، ظالم و جابر اور روایتی ذہنیت کا حامل انگریز تھا، جو انتقام کی آگ میں حیوانیت کے کسی بھی درجے پر گر سکتا تھا۔ اِسی طرح جان لارنس بھی ایک متعصّب قسم کا انگریز افسر تھا، جو شمس الدین احمد خان کے کیس کے ضمن میں بہ طور تفتیشی افسر کے سائمن فریزر کے ساتھ مل کر قاتل کو منطقی انجام تک پہنچانے کی سعی کرتا ہے، بالخصوص تفتیش کے دوران میں وہ کریم خان کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور غیر انسانی رویہ اختیار کرتا ہے۔ اِس مقدمے کی ابتدا سے لے کر پھانسی کے اختتامی مراحل تک جان لارنس، سائمن فریزر کا بھرپور ساتھ دیتا ہے اور بالآخر نواب شمس الدین احمد کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے۔

اِس ناول کا ایک اور اہم کردار کرنل جیمس اسکنر عرف سکندر صاحب (SkinnerJames) (۱۷۷۸ء۔۱۸۴۱ء)، جو طرزِ معاشرت کے اعتبار سے آدھا ہندوستانی ہو چکا تھا۔ ایک طویل عرصہ ہندوستان میں گزارنے کی وجہ سے اُسے ہندی مسلمانوں کے مزاج سے خوب واقفیت تھی، بالخصوص نواب شمس الدین احمد خان سے پرانی یاد اللہ ہونے کی بنا پر وہ اُس کے مزاج سے بہ خوبی واقف تھا۔ سکندر صاحب چوں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وفادار ہونے کی وجہ سے کمپنی کے کار پردازوں میں اچھا اثر و رسوخ رکھتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اُسے مشورے میں شامل کر کے کمپنی کے افسروں کو بہت فائدہ ہوا اور اُسی کے بہترین مشورے سے نواب شمس الدین احمد بہ آسانی گرفت میں آ گیا۔ حالاں کہ سکندر صاحب کی نواب شمس الدین احمد خان کے والد نواب احمد بخش خان (۱۷۶۵ء۔۱۸۲۷ء) کے ساتھ گہری دوستی تھی، اِس کے باوجود کرنل جیمس اسکنر نواب شمس الدین احمد خان کو دھوکا دیتا ہے اور مکاری سے کام لیتے ہوئے اُسے گرفتار کروا دیتا ہے۔ اِس پر طُرّہ یہ کہ کرنل جیمس اسکنر نہ صرف ولیم فریزر کی قبر پر شان دار مقبرہ تعمیر کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے، بل کہ اُس کے لیے زمین اور روپیہ بھی مہیا کرتا ہے، تا کہ ولیم فریزر کو اُس کے عہدے کے

شایانِ شان دفن کیا جاسکے۔ مختصر یہ کہ کرنل جیمس اسکنر ایک عیّار، دھوکے باز، موقع پرست اور دوہرے معیار کا حامل انسان تھا، جو انگریز قوم سے اپنی وفاداری نبھانے کے لیے ہندوستانیوں سے اپنے دیرینہ تعلقات کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔

فرنگی کرداروں کے جلو میں ولیم فریزر کا کردار بھی بہت اہم ہے، جو دلی کا ریزیڈنٹ اور بعد ازاں کمشنر بھی رہا۔ جرنیل اختر لونی کی طرح ولیم فریزر بھی ہندوستانی طور طریقوں سے بہ خوبی واقف تھا۔ وہ سور اور گائے کا گوشت تو نہ کھاتا، مگر فرانسیسی شراب، حقہ، پان اور عطریات کے استعمال کا بے حد شوقین تھا۔ وہ فارسی زبان کا ماہر اور ہندی میں بھی خاصی شُد بُد رکھتا تھا۔ بات بات پر فارسی شعر پڑھنا اُس کی عادت تھی۔ ولیم فریزر تھا تو غیر شادی شدہ، مگر اُس نے چھ سات عورتیں بغیر نکاح کے اپنے حرم میں رکھی ہوئی تھیں اور کچھ امرد بھی اُس کے معشوق تھے اور یہ عادت اُس میں حد سے بڑھی ہوئی تھی:

> ''اُس کی چھ سات بیبیاں تھیں اور متعدد امرد بھی اُس کے معشوق تھے۔ ہر چند کہ دہلی میں امرد پرستی کچھ بہت انہونی چیز نہ تھی، لیکن سنا گیا تھا کہ وہ بہت دراز دست بھی تھا اور اپنے ملاقاتیوں کے بھی متوسلین پر آنکھ ڈالنے میں اُسے تکلف نہ تھا۔''(۵)

یہ افواہ بھی ایک عرصے تک گردش میں رہی کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ اُس نے اپنے دیوان خانے میں گاؤ تکیہ کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ ہندی لباس پہنتا تو بالکل دلی کا ہی کوئی امیر زادہ معلوم ہوتا تھا، بل کہ نشست و برخاست اور آداب و رسوم میں بھی وہ ہندوستانی امرا کی طرح سبھاؤ رکھتا تھا:

> ''سنا گیا تھا کہ اُس کے نشست و برخاست کے آداب بالکل امرائے اہلِ ہند جیسے تھے۔ اُس کے دیوان خانے میں فرنگی طرز کے صوفے اور کوچ نہ تھے، قالین، گاؤ تکیوں اور گدوں کا انتظام تھا۔ زنان خانے میں وہ ننگے پاؤں داخل ہوتا تھا۔''(۶)

وزیر خانم (۱۸۱۱ء۔۱۸۷۹ء) سے پہلی ملاقات کے وقت اُس کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ بڑا شاطر اور تیز طرار آدمی تھا۔ وزیر خانم کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے اُس نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ جاسوسوں کی اطلاعات کو پرکھنے کے لیے وہ ایک ہی کام پر دو مختلف جاسوسوں کو تعینات کیا کرتا تھا، تاکہ متضاد بیانات سے اصل معاملے تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ ولیم فریزر پہلی ملاقات کے بعد وزیر خانم کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے بے چین رہنے لگا اور نواب شمس الدین احمد سے حسد کی بنا پر اُس کی سفلی خواہشات میں شدت آتی چلی گئی اور ناکامی کے بعد تو وہ گویا زخمی سانپ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولیم فریزر نے نواب شمس الدین احمد خان کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ نخوت اُس کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُس کے نزدیک عورتوں کی اہمیت بے زبان بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔ وہ وزیر خانم کو بھی دھونس اور جور زبردستی سے حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہی اُس کا طریقۂ واردات تھا۔ ولیم فریزر کو وزیر خانم کے جسم کی شدید خواہش تھی، جو اکتوبر ۱۸۳۰ء میں اُس وقت سرد پڑ گئی جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے۔ بلاشبہ ولیم فریزر ایک ایسا ''یک رُخا کردار''(۷) ہے، جو انتہائی ظالم و جابر واقع ہوا تھا۔ وہ لگان اور شرح کی وصولی میں بھی کسانوں سے ضرورت سے زیادہ سختی کیا کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ ولیم فریزر ایک ایسا اخلاق باختہ، تکبر پسند اور منتقم مزاج شخص تھا، جو اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی سطح سے گر سکتا تھا۔

اِسی طرح کرنل ایلویلیس (Col.Alves)، جو انگریز سرکار کی جانب سے راجپوتانے میں پولیٹیکل ایجنٹ کے عہدے پر تعینات تھا۔ کرنل ایلاس جب چھے ہفتے کی چھٹی پر کلکتہ چلا گیا تو اِسی دوران میں سوائی راجا جے سنگھ (۱۶۸۸ء۔۱۷۴۳ء) کی

بیماری کا واقعہ رونما ہوا۔ مسٹر ایڈورڈ مارسٹن بلیک (Mr.Edward Marston Blake) چوں کہ اُس کی جگہ چارج سنبھالے ہوئے تھا، اِس لیے اِس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے اور بار بار کرنل ایلویس کی غیر موجودگی کو شدّت سے محسوس کرتا ہے۔ مارسٹن بلیک کے نزدیک اِس قسم کے حالات سے اچھے انداز میں نبرد آزما ہونا کرنل ایلویس کا ہی کام تھا، یعنی جونتا رام کو شکست سے دوچار کرنا اور سیٹھ راول رام کو مہاراجا رام سنگھ کا اتالیق مقرر کرنا اُس کے بس کا روگ نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ مارسٹن بلیک کرنل ایلویس کی کمی بار بار محسوس کرتا ہے:

''اِس وقت کرنل ایلویس یہاں ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ جونتا رام کی طاقت کو توڑنا اور راول رام کو اُس کی جگہ پر لانا اکیلے میرے بس کا نہیں۔'' (۸)

''کاش کرنل ایلویس اِس وقت یہاں ہوتے۔'' (۹)

''اُس نے خیال کیا کہ کوئی دن جاتا ہے کرنل ایلویس خود یہاں موجود ہوں گے اور سب کام بحسن وخوبی انجام پا جائیں گے۔ ایک دو دن کے لیے گھبرانا کیا ہے۔'' (۱۰)

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کرنل ایلویس ایک کام یاب منصوبہ ساز اور حالات کو اپنے قابو میں کرنے کے تمام گرُ بہ خوبی جانتا تھا، اِسی لیے بار بار مارسٹن بلیک اُس کی کمی محسوس کرتا ہے۔ جونتا رام کو قید کرنا اور سیٹھ راول کو مہاراجا رام سنگھ کا اتالیق مقرر کرنا اُس کی کام یاب منصوبہ بندی کی بہ دولت ہی ممکن ہوا۔ مختصر طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک انتقام پسند، معاملہ فہم اور انتظامی امور میں یدطولیٰ رکھنے والا ایک ایسا انگریز افسر تھا، جو کم سے کم مدت میں بات کی تہ تک پہنچنے اور مسئلے کا حل تلاش کرنے کی بدرجہ غایت صلاحیت رکھتا تھا۔

بعینہٖ جنرل سر ڈیوڈ اختر لونی (Sir David Ochterlony) (۱۷۵۸ء۔۱۸۲۵ء)، جو دہلی کے دربار میں ریزیڈنٹ کے عہدے پر فائز تھا اور مقامی طور طریقوں کا دل دادہ ہونے کی بنا پر ہندوستان کی نمائندہ زبانوں، تہذیب وثقافت، رہن سہن، نشست و برخاست اور اندازِ گفتگو میں بالکل مقامی لوگوں کی طرز پر زندگی کیا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اُسے یہاں کے مقامی امرا اور رؤسا میں خاص عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اُس نے ایک مرہٹی خادمہ مبارک النسا بیگم عرف بیگم اختر لونی سے شادی کی۔ اِس کے علاوہ بھی اُس کی گیارہ سے زائد بے نکاحی بیویاں بتائی جاتی ہیں، تاہم اُسے مبارک النسا سے خاص اُنس تھا۔ مختصر یہ کہ جرنیل اختر لونی کا کردار ایک دُور اندیش فوجی افسر، بہترین منصوبہ ساز، موقع شناس اور ایک روایتی متعصّب فرنگی کا کردار ہے، جس کی رگوں میں تعصّب کا زہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

اِس ناول کا ایک اور اہم کردار ولیم کاٹرل ٹنڈل، جو مارسٹن بلیک کا پھوپھی زاد بھائی اور نصرانی مذہب پر پختہ ایمان رکھنے والا کٹر عیسائی تھا۔ ولیم کاٹرل ٹنڈل میسور میں فرنگی فوجیوں کو رسد مہیا کرنے کے کام پر مامور تھا، مگر بعد میں اُس کا تبادلہ جے پور میں ہوگیا۔ یہ اپنی بہن ایبی گیل المعروف اے بی میم کی بہ نسبت قدرے صفائی پسند اور صلح جو شخص تھا، تاہم ایک تیز طرار اور چالاک انسان بھی تھا، جس نے مارسٹن بلیک کے بچوں کا اندراج اپنے بچوں کی حیثیت سے کروالیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے یہ کام مارسٹن بلیک کے ایما پر کیا ہو، مگر پھر بھی اُس کی عیّار فطرت کا اندازہ مذکورہ واقعے کی مدد سے کیا جاسکتا ہے۔ اپنے روایتی تعصّب اور پیسے کے لالچ میں وہ اور اُس کی بہن ایبی گیل ٹنڈل مل کر وزیر خانم کے بچوں کو ہمیشہ کے لیے اُس سے دُور کر دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ولیم کاٹرل ٹنڈل ایک خوش لہجہ، خوش خوراک، مگر ایک بخیل اور تنگ نظر انسان تھا۔

مسٹر ایڈورڈ مارسٹن بلیک کا کردار اِس ناول کے اہم ترین کرداروں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ مارسٹن بلیک کمپنی بہادر کی طرف سے جے پور میں کپتان ہونے کے ساتھ ساتھ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ بھی تھا۔ وہ انگریزی کے علاوہ ہندی اور فارسی میں بھی اچھی خاصی استعداد رکھتا تھا۔ وہ کسی بڑے خاندان کا چشم و چراغ تو نہیں تھا، مگر اُس نے یہ درجہ و مقام اپنی ذاتی محنت و لیاقت سے حاصل کیا تھا۔ مارسٹن بلیک وہ پہلا مرد تھا، جو وزیر خانم کی جنسی وجذباتی زندگی میں داخل ہوا۔ اُس نے نہ صرف وزیر خانم کو داخلِ حرم کیا، بل کہ بغیر نکاح کے وہ اُس سے جنسی آسودگی بھی حاصل کرتا رہا۔ اِس تعلق کو مصنف نے دونوں کے درمیان ''رشتۂ ناشوئی''(۱۱) کا نام دیا ہے، جس کی بہ دولت وزیر خانم کے بطن سے مارٹن بلیک (Martin Blake) عرف امیر میرزا اور سوفیہ (Sophia) عرف بادشاہ بیگم نامی دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ وزیر خانم کا وہ دیوانہ وشیدا تھا، مگر اس نے وزیر خانم کو منکوحہ بیوی کا درجہ نہ دیا، تاہم وہ وزیر خانم کی ہر ضرورت اور خواہش کو خوش دلی کے ساتھ پورا کیا کرتا تھا حتیٰ کہ وزیر خانم کی محبت میں اُس نے سوّر کے گوشت تک سے دست برداری اختیار کر لی۔ وہ وزیر خانم کا بہترین مزاج شناس تھا۔ اُس نے وزیر خانم سے تعلقِ خاطر کے بعد دوسری عورتوں میں دل چسپی لینا مطلق چھوڑ دیا تھا:

> ''وزیر خانم سے تعلق پیدا کرنے کے بعد اُس نے کسی بھی ہندوستانی یا فرنگی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔''(۱۲)

وزیر خانم سے ملاقات سے پہلے مارسٹن بلیک روایتی فرنگی انگریز افسروں کی طرح طوائفوں اور لڑکوں سے بھی میل ملاقات رکھتا تھا۔ وزیر خانم سے پہلی ملاقات کی رات بھی وہ اپنی ایک معشوقہ کے گھر رات گزارنے جا رہا تھا، مگر ایک بات طے ہے کہ وہ اتنا بھی فرشتہ نہیں تھا، جتنا کہ بظاہر وہ اپنے عمل سے ظاہر کیا کرتا تھا۔ وہ اِس لیے کہ اگر وہ وزیر کے ساتھ اتنا مخلص ہوتا تو اُس سے قانونی تعلق قائم کر سکتا تھا، جو اُس نے نہیں کیا۔ وزیر خانم سے وہ مکمل طور پر صاف نہیں تھا۔ اِس بات کا احساس وزیر خانم کو بھی تھا کہ مارسٹن بلیک کے ساتھ اُس کا محض جنس کا رشتہ ہے اور کچھ نہیں۔ مارسٹن بلیک کی طرح وزیر خانم کو بھی بچوں سے کوئی خاص رغبت نہ تھی، اِس لیے وہ خوش تھا کہ وزیر خانم اُس کا بستر گرم کرنے کے لیے اُسے ہمہ وقت آسانی سے حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ جب بھی گھر پر ہوتا، اُسے وزیر خانم کے ساتھ جنسی اختلاط کے سوا کوئی کام اچھا نہ لگتا۔ وہ وزیر خانم کی ہر خواہش اور رمز کو بہ خوبی سمجھتا تھا، تاہم لذّات وشہوات میں وزیر خانم اور مارسٹن بلیک دونوں ہی ایک جیسے تھے:

> ''وزیر خانم نے بہت ڈھونڈ کر دونوں بچوں کے لیے اچھی ذات کی مسلمان دائی پلائیاں نوکر رکھی تھیں۔ مارسٹن بلیک اِن انتظامات سے خوش تھا، کہ اِس طرح اس کی دل بستگی اور بستر کی زینت بننے کے لیے وزیر کی خدمات زیادہ آسانی سے مہیا ہو سکتی تھیں اور یوں بھی اُسے بچوں سے کچھ خاص لگاؤ نہ تھا، ہاں تحفے تحائف اور مٹھائی ریوڑی کی حد تک وہ فیاض ضرور تھا۔''(۱۳)

دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا تو وہ حالات کو بگڑتا ہوا دیکھ کر خوشامدی انداز اپنا لیتا۔ وہ ہندوستانیوں کو غیر ترقی یافتہ، گنوار اور غیر مہذّب، جب کہ یہاں کی ریتوں، رواجوں اور رسموں کو کھُل کر ہدفِ تنقید بنایا کرتا تھا۔ اِس پر طُرّہ یہ کہ وہ اس ضمن میں مغلّظات بکنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتا تھا۔ اُس کی اچھی بات یہ تھی کہ وہ ہر بات صاف اور بے تکلف انداز میں کہہ دیا کرتا تھا۔ مارسٹن بلیک ایک بذلہ سنج، مگر سخت گیر اور بارعب شخص تھا۔ گھر کے تمام ملازم اُس سے ڈرتے تھے۔ اپنے معاملات کے

سلجھاؤ کے لیے وہ جاسوسوں سے بھی کام لیا کرتا تھا، مگر بعض معاملات میں وہ ناتجربہ کار اور غیر پختہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ جوتنا رام کے معاملے میں وہ کرنل ایلویس کا منتظر رہتا ہے کہ وہ آئے اور جے پور کے معاملات کو سلجھائے۔ اُس نے جوتنا رام کو معزول کر کے اور ریزیڈنٹی کی حفاظت کرنے والے محافظوں کا ایک گروپ راج محل کی حفاظت پر مامور کر کے اپنی ناتجربہ کاری کا ثبوت دیا اور یہ ناتجربہ کاری اُس کی بے وقت موت پر منتج ہوئی۔

کمشنرِ خصوصی مسٹر جان ایلگزنڈر کالون (Mr. John Alexander Colvin) کا کردار اس ناول میں کریم خان اور نواب شمس الدین احمد خان کے مقدمے میں بہ طور جج، مگر غائب کردار کی ذیل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ مسٹر کالون ہی کریم خان اور نواب شمس الدین احمد خان کے خلاف پچاس صفحات پر مشتمل فیصلہ عدالت میں نہ صرف پڑھ کر سناتا ہے، بل کہ ان دونوں کو جلد از جلد پھانسی پر چڑھانے کے احکامات بھی صادر کرتا ہے۔ مسٹر کالون کا کردار معمول کی عدالتی کارروائی کو آگے بڑھانے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، مگر اس کردار کے طرزِ عمل اور فیصلے کے باطن میں تعصّب کی بو بآسانی محسوس کی جاسکتی ہے۔

سینفورڈ ٹھیکری (Sanford Thackeray) کا کردار کلکتہ کی انگریز عدالت میں نواب شمس الدین احمد خان کے مستقل وکیل میرزا اسفند یار بیگ کے نائب اور مختارِ کار انگریز وکیل کی حیثیت سے چند ثانیوں کے لیے اِس ناول میں داخل ہوتا ہے۔ سینفورڈ ٹھیکری کا اصل کام کلکتہ کی انگریز عدالت میں پیش کی جانے والی عرضیوں کی تیاری میں میرزا اسفند یار بیگ کی معاونت کرنا تھا۔ اِن عرضیوں کی تیاری میں جس عجلت اور سرعت کی ضرورت تھی، سینفورڈ ٹھیکری راتوں کو جاگ جاگ کر اُن کی تیاری کرتا ہے۔ اِس کردار کی خوبی یہ ہے کہ اِس میں اپنے پیشے سے وفاداری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ انگریز ہونے کے باوجود اِس میں فرنگی تعصّب کا شائبہ تک موجود نہیں اور اِسی خوبی کی وجہ سے یہ کردار ذرا سی دیر میں ہی قاری کے دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔

علاوہ ازیں اِس ناول میں مارٹن اینڈ مارٹن (Martin and Martin) نامی قانونی فرم کے جونیئر پارٹنر مسٹر ڈگلس ایبرنتھی (Mr.Douglas Abernethy) کا کردار بھی ہمارے سامنے آتا ہے، جو خلیل اصغر فاروقی کو بہ ذریعہ مکتوب وسیم جعفر کی نہ صرف موت کی اطلاع کرتا ہے، بل کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق انتہائی ایمان داری کے ساتھ کچھ ضروری کاغذات، سر بہ مہر لفافہ بند وزیر خانم کی ایک تصویر اور جائیداد کی تقسیم کے متعلق معلومات بھی بہم پہنچاتا ہے۔ چند ساعتوں کے لیے ناول کا حصہ بننے والا یہ کردار ڈاکٹر خلیل اصغر فاروقی کے نام لکھے گئے قانونی و اطلاعی خط کی متاثر کن عبارت کے ذریعے قاری سے متعارف ہوتا ہے۔ اِس کردار کی نمایاں ترین خوبی اُس کی فرض شناسی، اپنے پیشے سے اخلاص اور سب سے بڑھ کر قانونی تقاضوں کو بہترین انداز میں سرانجام دینے کی صلاحیت قاری کے دل میں اَن مٹ نقوش چھوڑ جاتی ہے۔

زیرِ بحث ناول میں اکّا دُکّا بعض انگریز عورتوں کے کردار بھی دکھائی دیتے ہیں، جن کے اُسلوبِ حیات سے فرنگی معاشرت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اِن نسوانی کرداروں میں سب سے جان دار کردار فینی پارکس (Fanny Parkes) (۱۷۹۴ء۔۱۸۷۵ء) کا ہے، جس کا تعارف اِس ناول میں قاری سے پہلی مرتبہ ولیم فریزر کے ہاں محفلِ مشاعرہ کی تقریب میں ہوتا ہے، جہاں وزیر خانم، مرزا غالب اور نواب شمس الدین احمد خان کے علاوہ دیگر کئی عمائدینِ شہر بھی مدعو تھے۔ اِسی تقریب میں وزیر خانم کی تعریف میں، جو انگریز عورت لارڈ بائرن (Lord Byron) (۱۷۸۸ء۔۱۸۲۴ء) کے اشعار پڑھ کر اہلِ محفل کے دل موہ لیتی ہے، وہ فینی پارکس ہی تھی۔ فینی پارکس الہ آباد میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی، جو ایک برف خانے کا مہتمم تھا۔ فینی

پارکس معاملاتِ زندگی کے بارے میں برمحل اور مبنی برحقیقت تجزیہ و تبصرہ کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھی۔ اُس کی انصاف پسندی کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اپنی نجی ڈائری میں لکھا:

> ''لوگ یہاں عام طور پر کہہ رہے ہیں کہ کریم خان کو پھانسی دینا ٹھیک مان بھی لیا جائے تو بھی نواب کو سولی دینے کا کچھ جواز نہ تھا کہ نوکر کے کیے کی سزا مالک کو دینا بعید از انصاف ہے۔'' (۱۴)

مختصر یہ کہ فینی پارکس ایک پُراعتماد، بلا کی باتونی اور آزاد خیال فرنگی عورت کا کردار ہے، جو سیر و سیاحت کی دل دادہ، ہندوستانی طور طریقوں پر دل و جان سے فریفتہ اور ہندی زبان سے بہ خوبی آگاہ تھی۔ بہت جلد گھل مل جانے کا ہنر بھی اُسے خوب آتا تھا، تاہم دوسروں کے بارے میں جاننے کے بجائے اُسے اپنی ذات کشائی میں زیادہ رغبت تھی۔

علاوہ ازیں ایبی گیل ٹنڈل، جو مارسٹن بلیک کی مجرد پھوپھی زاد بہن، جسے اے بی میم کے نام سے جانا جاتا تھا، وہ اپنے بھائی ولیم ٹنڈل اور مارسٹن بلیک دونوں سے بڑی، بل کہ سن رسیدہ خاتون تھی۔ انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندی زبان میں بھی واجبی شُد بُد رکھتی تھی۔ صفائی ستھرائی کے معاملے میں وہ مارسٹن بلیک سے بھی فروتر تھی، تاہم سینے کاڑھنے ایسے امور میں خوب ماہر تھی۔ وزیر خانم کی زندگی میں سب سے پہلے یہی عورت مشکلات و مسائل کا در وا کرتی ہے۔ جے پور میں اپنا ذاتی گھر ہونے کے باوجود اُس کا سارا وقت وزیر خانم کے بچوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ اُس نے بچوں پر نصرانی رنگ چڑھانے کی شعوری کوشش کی۔ وہ نصرانی عقائد و نظریات پر پختہ یقین رکھنے والی عورت تھی۔ وہ اپنی دانست میں اپنے بھائی مارسٹن بلیک کو وزیر خانم کے چنگل سے چھڑانے کے لیے کئی منصوبے بروئے کار لاتی ہے، مگر اُن میں ناکامی کے بعد وہ بچوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی سعی کرتی ہے، جس میں وہ پوری طرح کامیاب رہتی ہے۔ اے بی میم سودے بازی میں بھی خوب طاق تھی۔ وہ وزیر خانم کے ساتھ بچوں اور جائیداد کے معاملے میں بڑی چالاکی کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے۔ دراصل وہ مارسٹن بلیک کی جائیداد اور اُس کا دیگر سامان ہتھیانا چاہتی تھی اور اِسی منصوبے کی تکمیل کے لیے وہ وزیر خانم کو اُس کے بچوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈرا اور روز وزیر خانم کو سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اُس کی طرف سے وزیر خانم کو لکھا گیا آخری خط بھی اُس کی سفاّکی اور روایتی تعصّب کا بہترین عکاس ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اے بی میم ایک مغرور، موقع شناس اور تنگ نظر عورت کا کردار ہے، جو اپنی مقصد براری کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھی:

> ''وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم کا نام ایک سزا یافتہ خونی کی داشتہ کے طور پر مشہور ہو چکا ہے اِس لیے ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ مارسٹن بلیک صاحب جیسے عالی مرتبت انگریز کی صلبی اولادیں چھوٹی بیگم جیسی گری ہوئی عورت سے منسوب کی جائیں۔ لہٰذا آج کی تاریخ سے مارٹن بلیک اور سوفیہ بلیک کو مذہب عیسوی میں داخل کر لیا گیا ہے اور اب اِنھیں اپنی ماں سے ملنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جب مارٹن بلیک اور سوفیہ بلیک کو بحساب قانون انگریزی سن بلوغ حاصل ہو جائے گا تو اُس وقت اِنھیں اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ فی الوقت انھیں مذہب نصرانی و طریق فرنگی پر چلایا جائے گا۔ اپنی شادیاں وہ اپنی مرضی سے، لیکن ہم سے اجازت لے کر کریں گے۔ اب اِنھیں اِس بات کا پورا اذعان ہے کہ بمقابلۂ

ہندیان یا صاحبانِ انگلستان بدرجہا بہتر ہیں۔''(۱۵)

مارسٹن بلیک کی بیٹی سوفیہ (Sophia)، جو وزیر خانم کی کوکھ سے پیدا ہوئی، ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی تھی۔ باپ نے اُس کا نام سوفیہ رکھا، مگر وزیر خانم کی تکرار کے بعد اُس کا ہندوستانی نام مسیح جان، جب کہ اسلامی نام بادشاہ بیگم رکھا گیا۔ اُس کی زیادہ تر پرورش و پرداخت ایبی گیل ٹنڈل، یعنی اے بی میم کے ہاتھوں ہوئی۔ جس نے سوفیہ کے دل و دماغ پر عیسائی رنگ چڑھانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ سوفیہ کو انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں پر اچھی خاصی دست رس حاصل تھی۔ اُسے اُردو کے ادبی حلقوں میں ''بلیک خفی'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کے خوش فکر شعرا میں شمار کی جاتی تھی۔ اُس کی پہلی شادی جیمس اسکنر (James Skinner) عرف ''سکندر صاحب'' کے صاحبزادے مشہور اینگلو انڈین فوجی افسر ایلگزنڈر اسکنر (Alexander Skinner) المعروف بہ ایلک صاحب سے ہوئی، جس سے ایک بیٹا بہادر میرزا اور ایک بیٹی احمدی بیگم، جس کا عیسائی نام شارلٹ (Charlotte) تھا، پیدا ہوئیں۔ سوفیہ کی دوسری شادی محمد امیر اللہ یا امیر اللہ نامی شخص سے ہوئی۔ دوسرے شوہر سے بھی اُس کا ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام مصنف کو معلوم نہ ہو سکا، تاہم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سوفیہ کے اُس بیٹے کے بیٹے کا نام حبیب اللہ قریشی تھا، جو بعد میں سلیم جعفر کے قلمی نام سے اُردو کا ممتاز ادیب و شاعر اور عروضی مشہور ہوا اور خوب نام کمایا۔

ہرمائینہ مارٹیمر (Hermione Mortimer) اِس ناول کا ایک اور غائبانہ نسوانی کردار ہے، جس کے بارے میں اِس ناول میں شمس الرحمٰن فاروقی نے صرف اتنا بتایا ہے کہ وہ پرڈیٹا مارٹیمر (Perdita Mortimer) کی والدہ اور شمیم جعفر کی خوش دامن تھیں، جب کہ اِس کے مقابلے میں شمیم جعفر کی بیوی اور سلیم جعفر کی بہو پرڈیٹا مارٹیمر، جو بڑی مستقل مزاج، باوفا اور خدمت گزار عورت تھی، اُس نے خاندان پر آنے والے تمام مصائب کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ شمیم جعفر اور سلیم جعفر کے انتقال کے بعد وہ اپنے بیٹے وسیم جعفر اور اپنی معذور بیٹی کو لے کر انگلستان چلی گئی، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ انگلستان آنے کے بعد وہ کسی قدر بدلے ہوئے انداز کی حامل خاتون دکھائی دیتی ہے، جو اپنے بچوں کو اپنے باپ دادا کی تہذیبی و ادبی روایات سے دُور رکھنے کی کوشش کرتی ہے، مگر وہ اپنے اس منصوبے میں مکمل طور پر ناکام رہتی ہے۔ اِس کردار کا دوسرا حصہ یا اُس کا بدلا ہوا یہ روپ ہمیں فرنگی سوچ کا عملی اظہار دکھائی دیتا ہے۔ اِسی طرح بہادر مرزا اور احمدی بیگم (جس کا عیسائی نام شارلٹ Charlotte تھا) یہ دونوں سوفیہ کی اولادیں تھیں اور اِس سے زیادہ ان دونوں کا ذکر اِس ناول میں نہیں ملتا۔

فاروقی کے موئے قلم سے تخلیق پانے والے یہ فرنگی کردار اپنے جملہ خصائص کے ساتھ ناول کے ارتقا میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ فاروقی نے اِن فرنگی کرداروں کو اُن کے مخصوص استعماری عزائم کے ساتھ ناول میں کچھ اس انداز سے ناول کی کہانی میں جذب کیا ہے کہ اِن فرنگی کرداروں کا حاکمانہ رویہ برطانوی دورِ سامراج کا بہترین عکاس معلوم ہوتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کردار نوآبادیاتی نظام کی حقیقی ترجمانی کرتے ہیں اور فاروقی نے بھی انھیں پیش کرنے میں اُن کے احساسِ برتری پر مبنی رویوں کو کمال چابک دستی سے سپردِ قلم کیا ہے۔ یہاں اِس امر کی وضاحت بھی ناگزیر ہے کہ اِس ناول میں پیش کیے گئے تمام فرنگی کردار سامراجی فکر و نظر کے حامل نہیں ہیں، بل کہ اِن میں سے بعض کرداروں کا رویہ اور طریقِ عمل انتہائی غیر جانب دارانہ اور مبنی بر حقیقت ہے، تاہم اِس ناول کے کرداروں کی غالب اکثریت استعماری اُسلوبِ فکر کی ترجمان ہے اور فاروقی نے بھی اِن فرنگی کرداروں کو تعصّب یا تنگ نظری کی عینک سے دیکھنے کے بجائے اِنھیں اُسی انداز میں تخلیق کیا ہے، جیسا کہ تاریخ کے اوراق میں

اِن کرداروں کا حقیقی ذکر ملتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام فرنگی کردار اپنی اپنی حیثیت میں مکمل اور جان دار کردار ہیں، جنھیں فاروقی کے اُسلوب نے ایک منفرد پہچان عطا کی ہے۔

حوالہ جات

1. Colonialism,www.wikipedia.com, P.1 of 3

۲۔ زین العابدین احمد، ڈاکٹر، ہندوستان میں برطانوی حکومت، دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۳۹ء، ص:۱۶

۳۔ مبارک علی، ڈاکٹر، برطانوی راج ایک تجزیہ، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص:۸۸

۴۔ محمد عامر سہیل، نوآبادیات، مابعد نوآبادیات اور ردِّ استعماریت (سیاسی و ثقافتی تناظر میں)، مشمولہ: قومی زبان، جلد: ۲۹، شمارہ: ۱۱، کراچی، نومبر ۲۰۲۰ء، ص:۸۹

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۱ء، ص:۲۲۴

۶۔ ایضاً، ص:۲۲۴

۷۔ رشید اشرف خان، ڈاکٹر، کئی چاند تھے سرِ آسماں۔ ایک تجزیاتی مطالعہ، دہلی: براؤن بک پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص:۱۶۳

۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، ص:۲۰۳

۹۔ ایضاً، ص:۲۰۳

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۰۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۶

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۷۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۸۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۵۲۸

۱۵۔ ایضاً، ص:۵۲۴

☆......☆......☆